مولانا ابوالحسن علی ندوی کے فکری رجحانات

ڈاکٹر محمد اکرم رانا☆

برصغیر پاک و ہند کی عظیم شخصیات جن کے انقلابی افکار نہ صرف یہ کہ اس خطہ پر مرتب ہوئے، بلکہ سارے عالم میں ان کے اثرات پھیلے، ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی (جن کو علی میاں کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) کی شخصیت نمایاں ہے۔ یوں تو مولانا کی خدمات ہمہ گیر اور عالمگیر نوعیت کی تھیں، پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کو مولانا نے جو فکر و نظر کا انداز دیا ہے وہ ممتاز و منفرد ہونے کے ساتھ مسلمانان عالم کی ضرورت تھی، آئندہ سطور میں خاص فکری رجحانات کے حوالہ سے مولانا کی شخصیت کا تعارف اور اہلِ فکر و دانش کے لئے ان سے فکری رہنمائی حاصل کرنا مقصود ہے۔

مولانا کے فکری رجحانات کی آبیاری اگر اُن کی خالہ کے نام موسوم کر دی جائے تو بجا ہوگا کیونکہ بچپن سے ہی مولانا اپنی خالہ سے ''فتوح الشام'' سنا کرتے تھے۔ اس کتاب کے سننے سے ان کے روح و دماغ میں یہ بات اُتر گئی تھے کہ عیسائیوں نے اپنے آپ کو اسلام کا عالمگیر حریف و مدمقابل بنا طے کر لیا ہے (آجکل یہ قائم مقامی یورپ (اور امریکہ) کے حصے میں آئی ہے)۔ (۱)

اس حوالے سے دوسری شخصیت جن کی طرف مولانا نے خود نشان دہی کی وہ ہے عبد الرحمٰن الکواکبی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''امت اسلامیہ کے امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز میں جس شخص کے خیالات و افکار میں نسبتاً زیادہ بلند نظری اور باریک بینی معلوم ہوئی اور جس کی فراست نے متاثر کیا، وہ سید عبد الرحمٰن الکواکبی کی تخیلی کتاب ''ام القریٰ'' ہے جو اب پرانی ہو چکی ہے اور اُس کے لائق مصنف کو لوگ بھولتے جا رہے ہیں''۔ (۲)

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

اس کے علاوہ مولانا کی فکری، ادبی اور علمی سرگرمیوں میں اُن کے بڑے بھائی سید عبد العلی کا بڑا ہاتھ تھا۔ جس کا تذکرہ مولانا کی تحریروں میں بار بار ملتا ہے۔

آپ کا خاندان حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مولانا عبد اللہ الاشتر اور سید احمد شہیدؒ سے واسطہ رکھتا ہے۔ آپ کے دادا سید فخر الدین خیالی ''مہر جہاں تاب'' کے مصنف تھے۔ انہوں نے شاہ علم اللہ پر ''سیرۃ علیہ'' اور مسدس حالی کے جواب میں مسدس خیالی لکھی۔ آپ کے والد صاحب برصغیر کی اعلیٰ علمی شخصیت تھے۔ جن کی نزھۃ الخواطر (آٹھ جلدیں) کو وہ مقام ملا جس کی مثال علمی دنیا میں کم ملتی ہے۔ اور ''گل رعنا'' نے جو مقبولیت حاصل کی اور پھر آپ کی والدہ سیدہ خیر النساء نے خواتین کے لئے جو ''حسن معاشرت'' ترتیب دی ان سب نے مولانا کی فکری صلاحیتوں کو نکھارا۔ جس شخصیت کے اطراف میں ادبی اور علمی شہ پارے موسم بہار کی طرح تر و تازگی کے یوں جھونکے لیے ہوں وہاں اس کی فکر کو چار چاند لگنا امر ہو جاتا ہے۔

مولانا ابو الحسن علی ندوی وسیع العلم اور کثیر التصانیف تھے، ملت اسلامیہ کے لئے سوز دروں ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ تواضع وانکساری، سادگی و بلند حوصلگی، زہد واستغناء، عزیمت وہمت، قوت ایمانی اور دعوت اسلامی کے لئے برقراری میں مولانا کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

یوں تو مولانا کی پوری زندگی مسلمانوں میں ایمانی، علمی اور فکری بیداری پیدا کرنے میں وقف تھی جس کا روشن ثبوت مولانا کی تحریرات وتصنیفات ہیں، آپ کی چند اہم فکری تصنیفات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم فکری تصنیفات

1۔ تاریخ دعوت وعزیمت
2۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
3۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر
4۔ منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین
5۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

6۔ حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب

7۔ معرکہ ایمان و مادیت

8۔ نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں

9۔ عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح

10۔ مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

11۔ پرانے چراغ

12۔ نقوش اقبال ترجمہ (روائع اقبال)

13۔ کاروان مدینہ

14۔ قادیانیت ترجمہ (القادیانی والقادیانیۃ)

15۔ تعمیر انسانیت

16۔ مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت

17۔ شرق اوسط کی ڈائری

18۔ سیرت سید احمد شہیدؒ

19۔ رجال الفکر فی الاسلام والدعوۃ

20۔ حدیث پاکستان

21۔ پاجا سراغ زندگی (۳)

ان کتابوں میں مولانا کے اہم فکری موضوعات کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ ایمان باللہ:

مولانا کی فکر بہت بلند تھی وہ ملت اسلامیہ کو یکجا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کا دل مسلمانوں کے زوال پر کڑھتا تھا، وہ مسلمانوں کو درس وتدریس کی شکل میں اپنے دل کی آواز پہنچاتے ہوئے کہتے ہیں:

ہر واقعہ وحادثہ کو تقدیر کی گردش، قسمت کی خرابی اور اتفاق زمانہ کہہ کر نظر انداز نہیں کر

دینا چاہئے بلکہ اسباب پر غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ واقعات اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن لکھتے ہیں'' پانچویں صدی ہجری میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا تسلط اور اُس کے بعد ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاریوں کی یورش اور بغداد کی پامالی محض بے سر پیر کے واقعات نہیں تھے جن کو صرف تقدیر کی گردش، قسمت کی خرابی اور اتفاق زمانہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا جائے۔ یہ دونوں واقعات دراصل اس طویل سلسلہء اسباب کا نتیجہ تھے جس میں اخلاقی امراض، حد سے بڑھی ہوئی بے اعتدالی و کج روی، مجرمانہ افعال و حرکات، مسلسل مغالطے اور خود فریبیاں اور ایسے حالات کی موجودگی شامل ہے جس میں کسی زمانہ اور کسی جگہ بھی باقی رہنے کی صلاحیت نہیں اور سب سے بڑھ کر زندگی کی وہ طرز جو خدا اور رسول کو ناپسند ہے اور جو دینِ صحیح اور عقل سلیم کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں۔ (۴)

پھر اپنا دردِ دل کھول کر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' ہماری موجودہ حالت یہ ہے کہ ہم اس دین کا اور اپنی اسلامیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کرے، وہ تمام نتائج اور وعدے ہمارے سامنے بھی موجود ہوں جن کا تذکرہ ہم نے اسلامی تاریخ میں پڑھا ہے، کیا ہم یہ بھولنے اور بھلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ نتیجے طبعی اسباب اور صحیح مقدمات کے تحت رونما ہوئے تھے اور ہوتے رہیں گے، پانی اگر واقعی پانی ہے تو سیراب کرے گا، غذا اگر حقیقی غذا ہے تو وہ ضرور قوت پہنچائے گی اور دوا واقعی دوا ہوگی تو شفا کی امید اُس سے کی جائے گی۔ آگ کی تصویر سے ہم روشنی اور گرمی حاصل نہیں کر سکتے''۔ (۵)

تاہم وہ ایمان و دین کو خارج نہیں کرتے، لیکن ایمان وہ ہو جو اپنی قوت و اثر میں حقائق سے بڑھ جائے۔ اگر ایمان زندۂ جاوید اور تازہ دم ہو تو یہ پہاڑ، یہ سمندر، یہ کائنات اُس کے سامنے جھکیں گے، اور ہزاروں سال کے آزمودہ قوانین فطرت بھی اپنے خواص و اصل سے ہٹ جائیں گے۔ (۶)

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

''کامیابی کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ ہم واقعی مؤمن بن جائیں اور ایمان کی آتش رفتہ سے پھر اپنی جانوں کو پرسوز کریں جو باطل کے ہر خس و خاشاک کو جلا سکتی ہے، جب ایمانی حرارت اور زندگی کے شعلہ کی بازیافت ہم کریں گے تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی''۔ (۷)

مولانا کسی قوم کے عروج وزوال کے اسباب کا تجزیہ ہر قسم کی جانبداری سے بالاتر ہو کر حقیقی وواقعاتی اسباب سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ''عربوں کو اسرائیل کے مقابلے میں کیوں شکست ہوئی'' کے تحت لکھتے ہیں'

جواب بہت آسان اور کھلا ہوا ہے وہ یہی کہ اسلام کے ساتھ اخلاص کا سرمایہ نہ تھا، اس شجاعت و بسالت کی کمی تھی جسے صرف ایمان وعقیدہ ہی بخشتے ہیں، اس یقین واعتماد کا فقدان تھا جو صرف خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ (۸)

وہ لکھتے ہیں ہم اسلام کی ہم نوائی چھوڑ کر اصنام کی خدائی میں پناہ ڈھونڈتے رہے۔ مسلمانوں کی (اسرائیلیوں کے ہاتھوں) شکست کے بعد آج ہماری وہی حالت ہے جو غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے صحابہؓ کی تھی جس کی تصویر کشی قرآن نے کی ''زمین اُن پر باوجود تمام وسعتوں کے تنگ ہوگئی اور اُن کا جینا دوبھر ہوگیا انہیں خیال ہوا کہ نجات اور پناہ خدا ہی کے پاس ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی اللہ تواب ورحیم ہے۔ (۹)

واقعی آج ہم پر بھی زمین اسی طرح تنگ ہے فلسطین جا کر دیکھئے ہماری ذلّت کا کیا حال ہے، کشمیر میں کیا ہو رہا ہے اور دنیا کی نگاہوں سے ہم کتنے گر گئے ہیں اب اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ تمام راستے تاریک اور بند ہیں۔ ہم نے اسلام سے بغاوت کر کے کچھ نہیں پایا۔'' اب ہم اسلام کے دائرہ میں آتے ہیں اور اُس کی قوت آزمانا چاہتے ہیں جو ہماری مدد کو تیار کھڑا ہے؟''۔

آج ابوالحسن زندہ ہوتے تو شیخ یٰسین کے اس سفاکانہ قتل پر چیخ اُٹھتے اور عالم اسلام وعرب کو جھنجھوڑ دیتے، اور اُن کا ماضی یاد دلاتے وہ ماضی جو نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی سے وابستہ تھا جنہوں نے بیت المقدس کو آزاد کرایا اور ان اسباب وحالات کی نشاندہی

کرتے جن کی وجہ سے مسلمان بے کس و بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ ابن تیمیہ کی تعلیمات کو ایک بار پھر اجاگر کرتے جنہوں نے آگے بڑھ کر دمشق کو منگولوں کے ہاتھوں تباہی سے بچالیا تھا۔

۲۔ مولانا کی فکری پختگی

مولانا کو مغربی تہذیب کی تاریخ اور لادینیت و مادیت کے ارتقاء کی اس منزل کی توجیہ میں ڈریپر کی پرانی کتاب ''معرکہ مذہب وسائنس'' (مترجم مولانا ظفر علی خان مرحوم) اور لیکی کی ''تاریخ اخلاق یورپ'' (مترجم مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی) نے بڑی مدد دی، انہیں ان سے بڑا مواد ملا جس سے اپنے مضامین و استدلال میں بہت کام لیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مضامین ترجمان القرآن اور اُن کی کتاب تنقیحات نے اور زیادہ وضاحت وتقویت پہنچائی۔ (۱۰)

مولانا نے مغربی تہذیب کے مزاج اور اُس کے حقیقی نقائص، اسلامی تہذیب سے اس کے بنیادی واصولی تضاد اور دونوں کے اتحاد کے عدم امکان کے متعلق سب سے زیادہ واضح اور پرمغز چیز محمد اسد کی کتاب Islam at the Cross road کو پایا جس کو لفظ بلفظ دل نشین کیا۔ Road to Mecca شائع ہوئی تو اس کا عربی ترجمہ ''الطریق الی مکہ'' محمد اسد نے ازراہ عنایت مولانا کو بھجوایا۔ آپ نے اس کا ترجمہ وتلخیص ''طوفان سے ساحل تک'' کے نام سے کیا۔

Decline of the Roman Empire اور Making of Humanity بھی مولانا کے مطالعہ میں رہیں۔

مولانا کو اکبر الٰہ آبادی کا کلام اس لیے پسند تھا کہ انہوں نے انگریزی تہذیب اور انگریزی دانش کا جواب دیا۔ اکبر الٰہ آبادی کے کلام نے ''ولایت'' کے طلسم کو توڑا اور اُس کی اصل کمزوریوں کو دکھایا۔ اور وہ کام کیا جو بڑے بڑے دانش کدوں میں بڑی بڑی علمی دقیق اور عمیق اور بلند مرتبہ کتابوں نے کیا ہوگا۔ ان کا کلام جب پھیلا تو ہندوستان میں اس سے مغربی تہذیب کا تسلط اور اس کی بالادستی کم ہوئی۔

اس کے علاوہ مغربی تہذیب ونظام سے نفرت بڑے بھائی ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی کی

صحبتوں اور محبتوں سے پروان چڑھی۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی فتح مندی اور مغربی ماحول کے اثرات کی شکست وہزیمت ان کے دل میں رچی بسی تھی۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے ''سچ'' اور ''صدق'' کے پرچوں نے اسے مزید مستحکم بنادیا۔

۳۔ عالمی سطح پر مولانا کی فکر کے اثرات کی ابتداء

آپ کی مشہور زمانہ کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین مصر میں ۱۹۵۰ میں چھپی تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ (۱۱)

اس ضمن میں مولانا کا مصر، سوڈان، شام، اردن، لبنان، ترکی، سعودیہ کا دورہ شاندار رہا۔ اس سفر سے مولانا سارے عرب میں پوری طرح متعارف اور محترم المقام ہوگئے۔ کیونکہ آپ کثیر الاسفار تھے۔ اس لیے مزید اسفار امریکہ، لندن اور استنبول کے کیے۔

مصر کے سفر میں وہاں کلیہ دار العلوم اور ایک دوسرے ادارے میں اس موضوع پر مشہور لیکچر دیئے۔

آپ نے عرب کے غیر اسلامی قومیت کے جذبہ کے خلاف لکھا حالانکہ جمال عبدالناصر کا دور تھا۔ اس کے علاوہ سعودی حکمرانوں اور خلیج کی ریاستوں کے حکمرانوں کی عیش وعشرت کی زندگی پر فکر انگیز تنقید کی۔ آپ نے الحاد، سوشلزم اور مغربی سرمایہ داروں کے خلاف آواز اٹھائی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے درد کو محسوس کیا۔ اُن کے سیاسی، اجتماعی، دینی مسائل کے حقوق کا دفاع کیا۔

اس ضمن میں آپ نے بے شمار سوالات اٹھائے، مثلاً کیا مسلمان اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکتے ہیں؟ کیا یورپین نظام زندگی، زندگی کے تقاضے پورا کرتا ہے؟۔ کیا یورپین زندگی میں مادی اور روحانی ترقی کا امتزاج شامل ہے؟۔ ہم کس صورت میں اس معاصر تہذیب کی کمزوریوں سے باخبر ہو سکتے ہیں؟ وہ کون سا رشتہ ہے جو عالم عرب اور عالم اسلام کو منسلک کر سکتا ہے؟ اہل یورپ مسلمانوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟

مغربی تہذیب نے دنیا کو کیا دیا؟ کیا نقصان پہنچایا؟ آپ نے اخلاقی پہلو، دینی

پہلو اور انسانی پہلو کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو زندگی کی حقیقتوں کا احساس دلایا۔ آپ نے صاف کہا کہ جاہلیت کسی خاص عہد کا نام نہیں، بلکہ جاہلیت جو بعثت نبویؐ سے قبل دنیا پر حاوی تھی اُس سے کہیں بڑھ کر جاہلیت آج دنیا پر حاوی ہے۔ (۱۲)

عالم اسلام کو چاہیے کہ نئے سرے سے ترقی کی راہیں تلاش کر کے ان پر گامزن ہو۔ عالم عرب نئے سرے سے بیدار ہو۔ نشأۃ ثانیہ کی وہی بنیاد ہو جو نشأۃ اولی کی تھی یعنی اصول جہاد واجتہاد پر عمل کیا جائے۔

ابوالحسن کہتے تھے کہ ترکوں کے تنزل کا سبب جہاد عسکری کی کمزوری تھی۔ اس جمود کی وجہ سے طویل غلامی، ذلیل زندگی اور ظالم مغربی اقتدار کا مزہ چکھنا پڑا۔

ڈاکٹر احمد امین کی کتابوں فجر الاسلام اور ضحی الاسلام کا مطالعہ خود کیا اور دوسروں سے کہا کہ یہ کتاب مسلمانوں سے احساس کمتری کو دور کرنا چاہتی ہے، جو انحطاط سے اور اپنی کمزوری کے احساس سے اور مغربی تہذیب کو وہ درجہ دینے کی وجہ سے جس کی وہ حق دار نہیں ہے، پیدا ہو گیا ہے۔

آپ کہا کرتے تھے حیاتِ انسانی کے ارتقاء پر اُن کی جامع وسیع اور گہری نظر اُنہیں اسلام کے عظیم مفکرین کی صف میں داخل کرتی ہے۔

عالم اسلام کے مسائل پر ہندوستانی طرز فکر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہندوستانی افکار ہوں یا معاصر مفکرین کے افکار ہوں۔ ان سب کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کے افکار کو قریب کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہند، پاکستان، مشرقی جزائر، ایران وافغانستان کے تمام مسلمان عالمی مسائل کے حوالے سے کیا نقطہ رکھتے ہیں جاننا ضروری ہے۔

ہم اکیلے اپنے خیالی جزیروں میں پناہ لے کر یا مسائل کے خاموش تماشائی بن کر علم وادب اور سیاست وقوت کی دنیا میں کوئی دیرپا نقش ہرگز قائم نہیں کر سکتے، اس کے لئے بڑی زندگی اور زندہ دلی، بڑے ایمان ویقین بڑے اخلاق وکردار، بڑے علمی رسوخ اور امتیاز اور بڑی کاوش اور ریاض کی ضرورت ہے''۔ (۱۳)

ابوالحسن کا یہ خیال ہے کہ انسان کو اس دنیا میں اپنا مقام خود بنانا ہوتا ہے، نہ کہ زمانہ کسی کے لئے جگہ خالی کرتا ہے۔ طلباء سے خطاب کے دوران انہوں نے کہا:

''یہ غلط ہے کہ زمانے میں کوئی جگہ خالی رہتی ہے کبھی زمانے میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی جگہ پہلے سے خالی ہو اور کسی کے لئے منتظر ہو کہ جب وہ شخص فارغ ہو لے گا تو اُس کی وہ جگہ اسے مل جائے گی۔ زمانہ بقائے اصلح کا قائل ہے، وہ بہت ہی حساس اور نقاد ہے وہ صالح کے بجائے اصلح اور نافع کے بجائے انفع کو ترجیح دیتا ہے۔ زمانے کا شکوہ دراصل اپنی کمزوری چھپانے کی کوشش اور احساس کمتری کی علامت ہے۔ دنیا نہیں بدلی ہے ہم بدل گئے ہیں۔ زمانہ آج بھی وہی ہے جو پہلے تھا''۔ (۱۴)

۳۔عصر حاضر کے فتنے اور مولانا کی فکری رہنمائی

آج کتنے بڑے بڑے فتنے ہیں جو اس وقت جہنم کے شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں اور پورے پورے ملکوں کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں۔

آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز اور انسانیت سوز فتنے اُبھر رہے ہیں، مصری آمریت، شام کی اشتمالیت اور اس کا کمیونزم ساری عرب دنیا کو اپنے آغوش میں لے لینے کے لئے بے چین ہے۔ مادیت، الحادی قوم پرستی، نبوت محمد ﷺ سے آنکھیں ملانے کے لیے تیار ہے۔ عصر حاضر نبوت محمدیؐ کو چیلنج کر رہا ہے۔ آج مسلمان کے لیے الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقع ہے۔ دہریت اور مادیت سے آنکھ ملانے کا موقع ہے۔ آج نبوت محمدیؐ پر تلواروں کا حملہ نہیں دلیلوں کا حملہ ہے۔

مولانا کی فکر کہتی ہے کہ محض خطابت یا دو چار تصنیفات سے یا کسی نادر تحقیق سے محض کسی نئے طرز میں کسی پرانے خیال کو یا نئے جام میں کسی شراب کہن کو پیش کرنے سے زمانہ میں کوئی نیا انقلاب یا کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی، اس زمانے میں ضرورت ہے کردار کی، قلب کی درد مندی اور اندرونی سوز کی ایک ایسی حرارت کی جو اندر ہی اندر جلا رہی ہو، اعصاب کو پگھلا رہی ہو۔ اس زمانے کا بہت بڑا مسئلہ جس کی طرف علامہ اقبال نے متوجہ کیا وہ یہ ہے کہ زمانے کا مجدد

کہلانے کا مستحق وہ ہوگا جو اسلامی شریعت کو برتر ثابت کرے اور زندگی سے اس کا پیوند لگائے اور یہ ثابت کرے کہ اسلامی قوانین وضعی قوانین سے آگے کی چیز ہیں۔ دنیا خواہ کتنی ترقی کرے، لیکن اسلامی قانون اس کی رہنمائی کی اب بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام تمام سوالات کے جوابات دیتا ہے جو انسانی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں۔ بالغ معاشرے کی تنظیم کی بہترین صلاحیت رکھتا ہے وہ مولانا سید سلیمان ندوی سے اس سوال کے جواب کے حوالے سے بہت توقعات رکھتے تھے، مولاناؒ کہتے ہیں:

اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کا مسئلہ آج کل بہت درپیش ہے۔ تمام اسلامی ممالک اس دور سے گزر رہے ہیں۔ اور غلط منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ اس سے اسلاف کی نیندیں یقیناً حرام ہوتی ہوں گی۔ ہمارے اقتدار کے حاملین شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا نظام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے۔ اب دوبارہ اس کو اس کارگاہ میں لانے کی زحمت دینا صحیح نہیں، یہ وہ سوال ہے جو اس وقت ایک شعلہ کی طرح، ایک بھڑکی ہوئی آگ کی طرح تمام اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے۔ (۱۵)

مولانا کی نظر میں آج کا تجدیدی کام یہ ہے کہ علماء وفضلاء اسلامی ممالک میں یا غیر اسلامی ممالک میں جہاں بھی ہوں اس کا ایسا جواب دینے کی کوشش کریں جو لوگوں کو مطمئن کر سکے اور مغربی فلسفہ کا اثر کم کر سکے جو اس وقت پورے عالم اسلام پر اپنا سایہ ڈال چکا ہے۔ آج مغربی ملکوں میں اسلام کی قسمت اور مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ تمام اسلامی ملک کم وبیش اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔ (۱۶)

یہ چیلنج قبول کرنا ہے علم کا وہ نمونہ اور معیار سامنے لے کر آنا ہے جو زبان کے اعتبار سے، اسلوب کے اعتبار سے، مواد کے اعتبار سے مطالعہ مذاہب اور تقابل ادیان کے اعتبار سے متوجہ کرنے والا ہو جس کا زمانہ اعتراف کرے۔

زمانہ بہت کچھ طالب ہے وہ چاہتا ہے کہ سخن دل نواز ہو، جان پرسوز ہو، نگاہ بلند ہو، تقریر، تحریر کا معیار بلند ہو، مطالعہ وسیع ہو، مطالعہ ایسا راستہ ہے جس پر سبک روی اور احتیاط سے چلنے کی ضرورت ہے کیونکہ وقت کم اور پڑھنے کا سامان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ نئے خیالات

وافکار کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہر نئی بات کا علم مفکر کے پاس ہو۔

جاہلیت نئے نئے روپ میں سامنے آتی ہے۔ بڑی خطرناک بات ہے کہ لات ومنات، یعنی باطل طاقتیں اور جاہلیت قدیم تو زندگی اور جوش وخروش سے بھرپور ہوں اور مومن، فرسودگی، پستی، افسردگی، کنارہ کشی اور پستی کی ذہنیت لئے پیدا ہو۔

لات ومنات نئے دم خم کے ساتھ آئے اور مومن پر نیند طاری ہو جائے۔

عہد جدید کا فتنہ کبریٰ

اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب، اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قوانین، اس کے نظام تعلیم، اس کے زبان وادب، رسم الخط الغرض پورے ورثہ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور اسلام چند عبادات ورسومات کا مجموعہ بن کر رہ جائے۔ یہ فتنہ سر ابھار کر کہہ رہا ہے مسلمانو! اپنے مذہب اور تہذیب سے لاتعلقی اختیار کر لو، کیونکہ یہ ایک الگ تھلگ اور مستقل تہذیب کے وارث ہونے کا احساس پیدا کر رہی ہے۔

نئی تہذیب چاہتی ہے کہ مسلمان خود ہی اعلان کر دیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں۔ وہ خود ہی اپنے پرسنل (فیملی لاء) میں اصلاح وترمیم کا مطالبہ کر دیں۔

مولانا کے نزدیک اصل خطرہ ذہنی اور تہذیبی ارتداد کا ہے، اس خطرہ کو محسوس کرنے کے لئے کوئی فراست کی ضرورت نہیں یہ نوشتہ دیوار ہے واقعی ہم نے دیکھا کہ آج جہاد کی نئی تعریفات تلاش کی جارہی ہیں۔

مولانا کا یہ نعرہ تھا کہ اسلام وحدت ادیان نہیں وحدت حق کی دعوت ہے۔

فماذا بعد الحق الا الضلال فانّی تصرفون (۱۷)

مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

(مغربی تہذیب کے متعلق مولانا کی معتدلانہ رائے)

آپ نے جو خطبات ومقالات یورپ اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر دیئے اور پڑھے ان میں مغربی تہذیب کے نقائص پر کھل کر گفتگو کی۔ اس کے علاوہ مشرق کے پرستاران

مغرب کی غلامانہ ذہنیت کو آشکارا کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان دونوں حدود یعنی مشرق ومغرب کے مابین خلا کو کس طرح پُر کیا جائے۔ آپ نے ایک راہ اعتدال کی نشاندہی کی۔ مغرب کے دورہ کے بعد مسلمانوں کے مابین مولانا نے دو طبقوں کی نشاندہی کی جن میں ایک وہ ہیں جو مغربی تہذیب کی بالاتری کے قائل ہیں اور انہوں نے اپنا سر تسلیم خم کرلیا ہے اس میں مولانا سرسید کو اور انکے ہم نواؤں کو شامل کرتے ہیں۔ دوسرے گروپ میں جو مغرب سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جمال الدین افغانی کو شامل کرتے ہیں۔ پہلے گروپ کا بقول علی میاں خیال ہے کہ مغرب ہم پر ہر چیز میں فائق ہے۔ نہ صرف صنعت اور ٹیکنالوجی اور انتظام حکومت میں، بلکہ تہذیب وثقافت میں بھی بہت آگے ہے۔

دوسرے مؤقف کے علمبردار کچھ زیادہ جذباتی تھے۔ انہوں نے اپنی کوششوں کو سیاسی وعسکری طور پر کچھ مضبوط رکھا، لیکن مغرب کے کمزور پہلوؤں کو نہ سمجھا، وہ مغرب سے متنفر رہے اور ان کی ہلاکت کے متمنی رہے لیکن اس کے سدباب کیلئے کچھ نہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کو فکری وذہنی بالاتری تو حاصل تھی ہی، اب انہوں نے مسلمانوں کے اندر ہی ایک ایسی نسل تلاش کر لی جو یورپ جاکر ان کی گرویدہ ہوگئی۔

دوسرے الفاظ میں پہلے گروپ نے خود کو مغربی افکار کے سمندر اور اس کی سیاسی اور اجتماعی موجوں کے حوالے کردیا اور دوسرے فریق نے یہ ناکام کوشش کی کہ تیراکی کا فن سیکھے بغیر اور سمندر کی گہرائی کا اندازہ کیے بغیر اُس کو عبور کرنیکی کوشش کی لیکن ایک تیسرا راستہ بھی تھا جو ایسے صاحب بصیرت اور مدبر کا تھا جو مغرب کا پوری طرح مفکرانہ جائزہ لیتا اُس کا منکر ہوتا اور نہ ساری خرابیوں کے ساتھ اُسے قبول کرنے پر بضد ہوتا۔

وہ یورپ کے قابل نفرت کلچر اور مخرّب اخلاق اطوار وعادات کو اعلیٰ انسانی اقدار اور برتر وپاکیزہ صفات پر کبھی بھی ترجیح نہ دیتا، وہ ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کے اصول پر چلتا وہ یورپ کی صنعت وحرفت اور ٹیکنالوجی سے تو فائدہ اٹھاتا، لیکن وہاں کی تہذیب وثقافت، کلچر ومعاشرت سے کوئی علاقہ نہ رکھتا۔

مولانا نے اپنی کتاب مغرب سے صاف صاف باتوں میں اس مؤقف کو خود اعتمادی،

خوش اسلوبی اور شیریں بیانی اور اعتدال پسندی کے ساتھ سواضح کیا ہے ۔ وہ مسلمانوں کو نہ تو مغربی تہذیب سے بیزار اور کیڑے نکالنے والا دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی سعادت مند مطیع شاگرد کے طور پر سرِتسلیم خم کرتے ہیں ۔ مولانا ایک ایسے کردار کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو مغرب کے غلط قدم کو نہ صرف غلط کہے، بلکہ اسے ٹوکے اور صحیح قدم کو نہ صرف صحیح کہے بلکہ اُسکی تحسین کرے ۔

ابوالحسن مغرب کو اسلام کی دعوت بغیر کسی معذرت وشرمندگی کے دیتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کو چاہیئے کہ وہ نوع انسانی کی قیادت میں اپنا کردار ادا کریں، وہ یہ کہتے ہیں کہ علوم و وسائل پوری انسانیت کو بلاتفریق و امتیاز ملنے چاہئیں ۔

مشرق ومغرب کا تصور

کیپلنگ "Kipling" کا یہ کہنا کہ مشرق مشرق رہے گا، مغرب مغرب، دونوں کبھی مل نہیں سکتے ۔ مولانا کے نزدیک ایک ایسا نظریہ ہے جو خاص وقت تک تو مقبول ہوسکتا ہے، لیکن اسے ابدی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کی بدولت دونوں حدود میں تصادم کی فضا بنی رہتی ہے ۔ وہ جب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو شک، خوف، بدگمانی، نفرت اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔

علی میاں کہتے ہیں:

''یورپ نے ایمان وعمل کو اگر چھوڑ دیا تو نئی سوسائٹی نئی تہذیب وجود میں نہیں آسکتی ہے ۔ یورپ دراصل مشرق کو مشرق اور مغرب کو مغرب یعنی سپر سمجھتا ہے اور یہی خرابی کی جڑ ہے ۔ مغربی تہذیب آجکل ایک نئے جوش سے مشرق کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے ۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان اور فکرِ آخرت (جہاد) نکال دیا جائے اور اُس کے مقابلے میں مادیت اور ٹیکنالوجی سے محبت پیدا کردی جائے Globalization کا عمل مکمل ہوجائے گا ۔ (۱۸)

مولانا کی نظر میں مشرق پر استحصال کے اسباب

1 ۔ یورپ سے اسلام کا تعارف صحیح نہ ہوسکا ۔ اگر ہوجاتا تو مشرق ومغرب مادیت،

حیوانیت، درندگی اور اس المناک انجام سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

2۔ انسانیت کی مصیبت مغرب سے مشرق کے جدا ہونے میں ہے، علم کو ایمان سے علیحدہ کر دینے میں ہے۔ مشرق میں ایمان بڑھا اور مغرب میں سائنس بڑھی۔ ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے اور علم کو ایمان کی سرپرستی اور نگرانی کی حاجت۔ انسانیت ان دونوں کی رفاقت اور تعاون کی طالب ہے۔

3۔ ترکوں نے مغرب کی قیادت نہ کی، انہوں نے مشرق میں قیادت کے خلا کو تو پر کیا مگر، اس نشأۃ ثانیہ کی سربراہی نہ کر سکے جو یورپ میں طوفان کی طرح بڑھ رہی تھی۔ (۱۹)

4۔ عالم اسلام میں صحیح رہنمائی کرنے والی قیادت کا فقدان اور بحران ہمیشہ رہا۔

5۔ قیادت کی تربیت وہاں ہوئی جہاں انہیں اسلام سے بیگانہ کیا گیا، انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اب اسلام کے پاس وسیع معاشرہ کے لئے کوئی پیغام نہیں۔

6۔ وہ طلباء / قائد علم و ایمان کی نہر سویز تعمیر نہ کر سکے۔

مغرب اور مشرق میں بُعد اور دوری پیدا ہوتی گئی، یہاں تک کہ آج یہ وقت دیکھنا پڑا ہے کہ مغرب اپنی طاقت، قوت اور تکبر کے ساتھ مشرق پر چڑھ دوڑا ہے اور ایک ایک کر کے سب کو ہڑپ کر رہا ہے، افغانستان اور عراق کو نگل چکا۔ لیبیا اور ایران کو پچھاڑ دیا، اب پاکستان کے ساتھ دیکھیں کیا کرتا ہے؟

7۔ اہل یورپ کو اقتدار کی ہوس، دنیا کو پامال کرنے کی خواہش، انسانوں کی لاشوں پر عیش و عشرت، دل رحم سے خالی، انسانیت کے درد سے عاری اور زندگی کا تصور سرے سے ہی غلط ہے۔

8۔ عصمت فروشی کے داعی یونان کے بڑے بڑے فلسفیوں نے پیشہ عصمت فروشی کی پرزور حمایت کی، اس میں بڑے بڑے فوائد اور خوبیاں دکھائیں۔ روم نے بھی فضول خرچی، عیش، تفریحات، معاشی لوٹ کھسوٹ اور محاصل کی کثرت کو آشکارا کیا۔

9۔ یہی حال چین اور ہندوستان کا تھا جہاں قیاسات کی حکمرانی تھی، اخلاق و معاشرت و سیاست میں خواہشات کا غلبہ تھا۔ عیسائیت، مجوسیت، بدھ مت خدا ترسی، فرض شناسی

، پاک بازی جیسی تعلیمات سے کوسوں دور تھے۔ ایسے میں اسلام نے ایک اعلیٰ معاشرہ مساوات کی بنیاد پر قائم کیا، جہاں بلالؓ ازحبش اور صہیبؓ از روم کو سرداری ملی۔

حل: [پس چہ باید کرد]

1۔ اسلام کا از سرنو مطالعہ اور مطالعہ میں سنجیدہ فکر.

2۔ قرآن کا ایسے مطالعہ جیسا کہ وہ فرد سے براہ راست مخاطب ہے.

3۔ اسلامی عقائد ونظریہ حیات کا یورپ میں جرأتمندانہ وحکیمانہ اظہار۔

4۔ پاکیزہ زندگی کی مثال یوں دیتے ہیں۔

صلاح وتقویٰ، صدق وامانت، ذکر وعبادت، رضاء وقناعت، نشاط وقوت، روحانی بالیدگی اور پرکیف جذبات سے معمور ہو۔

امریکہ ویورپ کی قیادت لادینیت، اخلاقی بےنظمی، مادہ پرستی، حیوانی طرز زندگی میں رکھی گئی۔ یورپ نے مذہب کو جواب دے دیا اور مطالعہ وتحقیق کا سفر بغیر مذہب کی رہنمائی سے آزاد وبے نیاز ہوکر بلکہ اس سے بیزار ہوکر شروع کیا۔ نتیجہ خودغرضی کا شیطان پورے یورپ پر مسلط ہے۔ قوموں کے ہاتھوں قوموں کو طبقوں کو طبقوں سے افراد کو افراد کے ہاتھوں سے قتل کرایا جارہا ہے۔ اس طرح ایک وسیع تر اور عالمگیر پیمانہ پر بربادی کی جارہی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشرق کے انسان کو کہیں پناہ نہ ملے گی نہ پہاڑ کی چوٹی پر نہ کسی غار کے اندر عملاً امریکہ کے کہنے پر وزیرستان میں یہی ہورہا ہے.

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ اور یورپ کا ذخیرہ علم بیکار ہے، کیونکہ اس میں تکبر و غرور ہے۔ جب اقوام متحدہ نے عراق پر حملے کی اجازت نہ دی تو امریکہ اور برطانیہ فخر وغرور اور طاقت کے نشہ میں بغیر پرواہ کیے چڑھ دوڑے۔ کیا یہ انصاف اور مساوات ہے؟ نہیں یہ مفادات ہیں، جو مساوات کی آڑ میں کیے جاتے ہیں۔ خدا کا خوف، آخرت کی زندگی کا یقین چاہیئے یہ چیزیں کہاں سے ملیں گی؟

دنیا کا کوئی فلسفہ اور کوئی شاعر یہ دولت عطا نہیں کرسکتا۔ یہ دولت ایمان و یقین

پیغمبروں کی تعلیمات کی بدولت ممکن ہے اور یہ تعلیمات درویشوں ،فلسفیوں، شاعروں، سیاست دانوں سے مل جائیں گی لیکن ہمیں پیغمبرانہ طاقت چاہیے جو صرف اس کے زندہ دین اور اس کی زندہ کتاب اور محفوظ شریعت میں موجود ہے۔ جو دنیا کی مدد کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہے ۔

قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین
یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ
سبل السلام ویخرجھم من الظلمات
الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراطِ مستقیم
(۲۰)

مولانا ابوالحسن کہتے ہیں:

''دنیا کا کوئی علاج نہیں، سننے والے سن لیں، یاد کرنے والے یاد کرلیں، دنیا کا علاج صرف اس میں ہے کہ رسول اللہ کا دامن پکڑا جائے اور پھر وہ چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دل کی کھوئی ہوئی چیز ملے گی، دماغ ہفت زبان ہے لیکن دل ایک زبان جانتا ہے۔ وہ ہے انصاف اور محبت کی زبان۔ اس سے دنیا میں بہار آئے گی اور دنیا جنت کا نمونہ بنے گی۔''(۲۱)

انہیں امریکہ کے حوالے سے امید کی ایک کرن نظر آتی ہے، وہ مسلمانوں کو درس دیتے ہیں کہ وہ مغرب اور امریکہ کو اسلام کا پیغام دیں اور آنکھیں ملا کر کہیں کہ اے مغرب تیرے درد کی دوا ہمارے پاس ہے۔ تیرے درد کی دوا ہمارے قرآن میں ہے، رسول اللہ کے پیغام میں ہے(۲۲) آؤ اسے استعمال کرو اور شفا حاصل کرو۔

سپنگلر نے 1917ء میں The Dicline of the west کے نام سے کتاب شائع کی۔ اس طرح برطانوی مصنف آرنلڈ ٹائن بی نے A study of History اور Civilization on Trail کے نام سے اپنی تحقیق پیش کی تو لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈال دیا اور ان وجوہات کی نشاندہی کی جو کسی بھی تہذیب کے زوال کا سبب بنتی ہیں۔

A .N Wilson, اور L.Carter نے The culture of dis. belief

The Diciline of Faith in West Civilization God's Funeral:- اور

The Death of the West 2001 Atrick Buchanan

میں یہ نعرہ بلند کیا ہے کہ مغربی تہذیب زوال پذیر ہو رہی ہے اور اس تہذیب کا خدا مر چکا ہے۔ (۲۳) اپنی تہذیب میں جان ڈالنے کے لیے اب سیاست کا سہارا لیا جا رہا ہے اور تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو باور کرایا جا رہا ہے اگر تم نے اپنی تہذیب میں دراڑیں خود نہ ڈالیں تو انجام خطرناک ہوگا، دراڑیں ڈالنے سے مراد، جہاد کا خاتمہ اور بے حیائی کے سیلاب کے آگے رکاوٹ نہ ڈالنا ہے۔

Brink lindsay مسلمانوں کو خبردار کرتا ہے:

Rote memorization of ancient texts, suppression of critical inquiry and dissent are "The recipe for anything other than [Islamic] civilizational decline"(24)

مغرب اپنی تہذیب کی Supermacy کا دعویدار ہے، Barlusconi کہتا ہے:

We cannot put all civilizations on the same level. We must be aware of our supermacy, of the superiority of western civilizations". (25)

مغربی تہذیب کیا ہے؟ مغربی تہذیب دولت، ذرائع رسل و رسائل، تجارت، Life style اور ٹیکنالوجی کا نام ہے۔

جس کو بچانے کے لئے بش، بلیئر اور بوائے کن (Boy kin) میدان عمل میں ہیں Life s ty le۔ ایسا کلچر ہے جو اسلامی تعلیمات کے برعکس ہے۔ ویسٹ کو شکایت ہے کہ مسلمان اپنے کلچر کو چھوڑ کر مغربی تہذیب میں کیوں ضم نہیں ہوئے؟ ان کے نزدیک مسلمانوں کے اندر سے مذہب کی روح نکال دی جائے اور عقیدہ آخرت پر ضرب کاری لگائی جائے۔ جب فکر آخرت ختم ہوگی لوگ ان کی زبانیں، عقیدے، آرٹ اور علوم خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ کیوں کہ یہ عقیدے اور رسم و رواج نسلاً در نسلاً منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

مغربی تہذیب کے علم برداروں نے سیکولرازم کو اپنا خدا بنا لیا ہے اور یہ کسی بھی مذہب خواہ وہ یہودیت ہو یا عیسائیت یا اسلام سب کے لیے خطرہ ہے۔ ابوالحسن اگر زندہ ہوتے تو وہ پکار اٹھتے کہ یہ ایسی حرکت ہے جو مسلمان کبھی بھی Allow نہیں کر سکتے۔ انہوں نے'' خذماصفاودع ماکدر '' کا نعرہ شروع سے ہی بلند کر رکھا تھا۔ یہ Lifestyl تو خدا کیخلاف بغاوت ہے۔ جمہوریت اور معاشی ترقی کی آڑ میں عورت کو ننگا کر دینا اگر مغربی تہذیب کا کمال اور عروج ہے تو ہمارے نزدیک یہ زوال ہے۔ یہ تو اخلاقی اور معاشرتی ڈھانچہ کی تباہی ہے۔ اس آزادی کا مطلب تو عورت کا بغیر روک ٹوک حاملہ ہونا ہے اور پھر اس آزادی کا مطلب اپنی مرضی سے حمل گرا دینا، کیا دنیا اس آزادی کی متحمل ہو سکے گی؟ خدا اپنی سنت بدلا نہیں کرتا۔ وہ سنت ہے کہ اخلاقی برائیاں ہمیشہ روبہ زوال رہی ہیں۔ کیا تاریخ میں لواطت اور ناپ تول کی کمی کو زوال نہیں آیا تھا.

یہ سب سیکولر زم کا کیا دھرا ہے۔ ویسٹرن Elite اس نظریہ کو پوری دنیا پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ بش اور بلیئر خم ٹھونک کر اسے ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ تاہم پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے کے مصداق David Livingstone کا مشورہ ہے کہ جس طرح اسلام کے اندر تفرقہ بازی اور جوڑ توڑ اس کو نقصان پہنچا رہا ہے، یہی حربہ ویسٹ کے اندر آزمایا جائے، مغربی تہذیب کے ڈھانچے کو تباہ کرنے کے لیے اس کے اندر دڑاریں ڈالنے کی ضرورت ہے۔(۲۶)

آخر میں ہم کہہ سکتے ہیں: عالم اسلام کے موجودہ حالات کے تناظر میں مولانا کی فکری تعلیمات سے رہنمائی کی بدولت مسلمانوں کے لیے منزل کی تلاش ممکن ہے.

....

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ندوی، ابوالحسن، حیات وافکار کے چند پہلو، مرتب سفیر اختر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2002ء ص: 23؛ نقطہ نظر، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، ص 106

۲۔ ایضاً۔ بعد میں مولانا نے ان سے بیزاری کا اظہار کیا اور دل پھیکا ہوگیا اور عقیدت میں کمی آئی۔

۳۔ ندوی، ابوالحسن، پرانے چراغ، مجلس نشریات اسلام، کراچی کے Back Page پر کتابوں کی فہرست مل سکتی ہے۔

۴۔ ندوی، ابوالحسن، عالم عربی کا المیہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۰، ص: ۱۲

۵۔ ایضاً ص: 91

۶۔ ایضاً ص: 92

۷۔ ایضاً ص: 95، یہ سبق آپ امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی دیتے ہیں

۸۔ ایضاً ص: 99، امریکہ سے صاف صاف باتیں، ص: 49

۹۔ القرآن (توبہ) 119:9

۱۰۔ ندوی، ابوالحسن، حیات وافکار کے چند پہلو، ص: 39

۱۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر کے نام سے ترجمہ ہوا

۱۲۔ محمد اکرم، محمد رسول اللہ.....ایک آفاقی پیغمبر، بیکن بکس ملتان، 2002، مقدمہ

۱۳۔ ندوی، ابوالحسن، پاجا سراغ زندگی، ص: 12

۱۴۔ ایضاً ص: 12

۱۵۔ ایضاً ص: 75

۱۶۔ اس مسئلہ پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تنقیحات کا مطالعہ بھی مفید ہے

۱۷۔ القرآن (یونس) 32

۱۸۔ ندوی، ابوالحسن، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، ص: 13

۱۹۔ ایضاً ص: 46

۲۰۔ القرآن (المائدہ) 6:15-16

۲۱۔ ندوی ابوالحسن، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، ص: 120

۲۲۔ ندوی ابوالحسن، امریکہ میں صاف صاف باتیں، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، ص: 48

۲۳۔ Abid Ullah Jan, The Dead Good, Nida-Khilafat Lahore, vol-13, No.9

۲۴۔ Thomas Fridman, Defudsing the Holy Bomb, N,y Times, 27 Nov, 2002

۲۵۔ Pravada, RU: Top Stories

۲۶۔ Abid Ullah Jan,Opcit, Loc-cit.

☆.....☆